۱۴

اپنی تمام حرکات خلیفۂ وقت کے احکام کے تابع رکھو

(فرمودہ ۷؍مئی ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

جو کچھ میں آج جمعہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں شاید وہ اس اجتماع کے مناسبِ حال نہیں اور وہ وقت جو اِس وقت میرے پاس ہے وہ بھی اِس مضمون کیلئے کافی نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم میں سے بعضوں نے ریل کے ذریعہ واپس جانا ہے۔ مگر چونکہ سفر میں میرے پاس اِتنا وقت نہیں ہے کہ مضمون کے ذریعہ قادیان کی جماعت اور بیرونی جماعتوں کو توجہ دلاؤں اِس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ خطبہ کے ذریعہ بیان کردوں اور زودنویس جہاں تک اِن سے ہوسکے خطبہ لکھ کر الفضل کو بھجوادیں تاکہ قادیان اور بیرونی جماعتوں کو اطلاع ہوجائے۔

جماعت کے دوستوں کو معلوم ہے کہ ایک عرصہ سے کچھ افراد قادیان میں ایسے آبسے ہیں جن کی غرض محض یہ ہے کہ جماعت میں فتنہ پیدا کریں اور انہوں نے قِسم قِسم کی تدابیر سے بعض مقامی ہندوؤں اور سکھوں کو بھی ملالیا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ قادیان کے سارے کے سارے ہندو اور سکھ اِس میں شامل ہیں۔ ان میں سے بعض اچھے بھی ہیں اور وہ ہم سے تعلقات بھی رکھتے ہیں اور ان کی ایسی حرکات پر اظہارِ ناپسندیدگی کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کو اس بات سے بھی تقویت پہنچ گئی کہ ضلع کے بعض حکام کے مذہبی تعصّب یا

سیاسی اختلاف یا کسی ذاتی کمزوری کی وجہ سے جو بعض طبائع میں پائی جاتی ہے اِن کو ایسی فضا میسر آ گئی ہے کہ ایسے حکام کو اپنے ساتھ شامل کر کے جماعت کے راستے میں مشکلات پیدا کریں۔ دو اڑھائی سال کے اختلاف کے بعد کسی قدر کمی پیدا ہوئی تھی لیکن مہینہ دو مہینہ سے اِس میں پھر کسی قدر حرکت معلوم ہوتی ہے۔

میں نے بارہا اپنی جماعت کو نصیحت کی ہے کہ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ یُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ[1] امام کے بنانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ڈھال کے طور پر ہوتا ہے اور جماعت اس کے پیچھے لڑتی ہے۔ یہ جائز نہیں کہ جماعت کے لوگ خود لڑائی چھیڑ دیں۔ اعلانِ جنگ امام کا کام ہے اور وہ جس امر کے متعلق اعلان کرے جماعت اُس طرف متوجہ ہو۔ مگر کئی دوست نہیں سمجھتے اور جھٹ ہر امر پر اظہارِ خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات دشمن اس سے چڑ کر شدت سے گالیاں دینے لگ جاتا ہے اور چھوٹی سی بات بہت بڑی بن جاتی ہے اور پھر ساری جماعت اس میں ملوث ہو جاتی ہے۔

ایک عام آدمی جس کو خدا تعالیٰ نے اختیار نہیں دیا ہوتا نہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ سلسلہ کی ضرورتیں کیا ہیں نہ اُس کو کسی سکیم کا پتہ ہوتا ہے، نہ دشمن کی چالوں کو سمجھتا ہے، نہ اسے یہ علم ہوتا ہے کہ طاقت کہاں کہاں خرچ کرنی ہے، نہ جماعت کی ضرورتیں اور ترقی کی سکیمیں اُس کے ذہن میں ہوتی ہیں، نہ اس کے علم میں ہوتا ہے کہ خلیفہ کی اس امر کے متعلق کیا تجویزیں ہیں کیونکہ اس کے پاس کوئی رپورٹیں نہیں پہنچتیں اور نہ حالات کا اُس کو علم ہوتا ہے۔ وہ اپنی حماقت سے ایک چنگاری چھوڑ دیتا یا دشمن کی لگائی ہوئی آگ کو اپنی پھونکوں سے روشن کر دیتا ہے اور پھر ساری جماعت کو اسے بُجھانا پڑتا ہے۔ خلیفہ کو اپنی سکیمیں پیچھے ڈالنی پڑتی ہیں اور جماعت کی ساری طاقت اس شخص کی بھڑکائی ہوئی آگ کے بجھانے میں صرف ہو جاتی ہے۔

میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ ایسے امور میں قطعی طور پر امام کی اتباع کی جائے۔ اب کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک طرف تو لوگ بیعت میں اقرار کریں کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور دوسری طرف اپنی جھوٹی عزت کا خیال کرتے ہوئے اور امام کے اعمال کی حکمت کو نہ سمجھتے ہوئے یہ خیال کریں کہ اگر امام گالی کا جواب نہیں دیتا تو اُس کی بے غیرتی ہے۔ حالانکہ امام خوب سمجھتا ہے کہ فلاں جگہ

خاموش رہنا مناسب ہے یا جواب دینا اور وہی خوب سمجھتا ہے کہ اس کا کیا جواب دیا جائے۔ ہر گالی جواب کے قابل نہیں ہوتی۔

بچپن میں لوگ ہمیں میاں صاحب اور قادیان کے محاورہ کے مطابق میاں جی بھی کہا کرتے تھے۔ پنجاب کے بعض دوسرے علاقوں میں میاں جی کو ملا بھی کہتے ہیں۔ پنجاب کی اردو ریڈروں میں لکھا ہوا ہے کہ میاں جی گھوڑے پر سوار ہیں۔ اُستاد کو بھی میاں جی کہتے ہیں۔ بعض طالب علموں نے جو استادوں کے خلاف ہوتے ہیں انہوں نے ان کے متعلق بعض فقرے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ جیسے ''میاں جی سلام تہاڈی گھوڑی نوں لگام'' اِسی طرح مجھے بھی بعض لڑکے چھیڑا کرتے۔ عمر کے لحاظ سے بعض دفعہ مجھے اِس پر غصہ بھی آتا لیکن خاموش رہتا۔ ایک دفعہ میں گزر رہا تھا کہ ایک لڑکے نے مجھے دیکھ کر یہ فقرہ کہا۔ اِس پر مجھے اشتعال آیا لیکن معاً خیال آیا کہ یہ بچے ہیں میرے اشتعال سے اِن کو کیا فائدہ۔ اگر میں نے اشتعال دکھایا تو یہی فقرہ دُہرایا جائے گا اور بچے یاد رکھیں گے اور ایسا کہہ کر بھاگ جایا کریں گے۔ پس میں نے اپنے نفس کو روکا حتیٰ کہ ایک دو دن کے بعد وہ بُھول گئے۔ پس ہر گالی قابل جواب نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ [۲] کہ ان مشرکوں کی طرف سے گالیاں دی جائیں گی تُو ان کی طرف توجہ نہ کرنا اور تبلیغ کی طرف لگے رہنا تا ایسا نہ ہو کہ اصل مقصود بُھول جائے اور ایسے کام کی طرف لگ جاؤ جس کا کچھ فائدہ نہیں۔ یہ ایک عظیم الشان اور اخلاقی فلسفہ ہے جو قرآن کریم نے پیش کیا کہ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔

یاد رکھنا چاہئے کہ مخالف دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو کوئی اہمیتِ ذاتی یا پوزیشن رکھتے ہیں ان کو صداقت کی جاذبیت دیکھ کر غصہ پیدا ہوتا ہے اور وہ سخت کلامی کرتے ہیں۔ اور ایک اوباش ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں سخت الفاظ کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی تو عزت کوئی نہیں، اس کی ایک گالی کے جواب میں اگر تم بھی گالی دو گے تو اِس کے جواب میں وہ پانچ دے گا اور تمہاری دس گالیوں کے مقابلہ میں پچاس دے گا پھر مقابلہ کیا رہا۔ وہ معزز شخص جس کے پیچھے ایک قوم ہوتی ہے اگر اُس کو اُس کی سخت کلامی کا جواب دیا جائے تو مفید ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اُس کے ساتھی اُس کو ملزم کریں گے اور اُس کو کہیں گے کہ غلطی تمہاری تھی، کیوں تم نے ابتداء کی اور وہ اپنی پردہ دری کے خوف سے چُپ ہو جائے گا۔ مگر اوباش کو کون بتلائے اور اسے کون سمجھائے۔ وہ بتلانے والے کو بھی دس بیس سُنا دے گا۔ پس

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ استہزاء کرنے والوں کو جواب نہ دینا، ہم خود جواب دیں گے کیونکہ ہم تمہاری طرف سے ان لوگوں کے مقابلہ کیلئے کافی ہیں جو حقارت اور تذلیل کے ذریعہ مخالفت کرتے ہیں ایسے لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں نہ ہمت ہے نہ طاقت نہ ہی دُنیوی ڈھنگ آتے ہیں۔ ان لوگوں کی اپنی کوئی عزت نہیں، وہ اس سے بڑھ کر گالیاں دیں گے اور بجائے اس کے کہ ان کے دل ٹھنڈے ہوں دشمن بدگوئی میں بڑھتا چلا جائے گا۔ ایسے انسان کی زبان کو لگام نہ عزت دے سکتی ہے نہ رُتبہ نہ شرافت۔ کیونکہ یہ باتیں اسے میسر نہیں ہوتیں۔ اگر یہ چیزیں اسے حاصل ہوں تو جواب کی اہمیت اُس کی سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ میری بھی عزت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کے بعض دشمنوں میں سے ایسے ہی بعض لوگوں کو جواب دیا جو مثلاً پادری تھے اور اپنی قوم میں معزز تھے۔ جبکہ وہ اسلام کے متعلق بدگوئی میں انتہا درجہ پر پہنچ گئے تا ان کو احساس ہو اور ان کی پوزیشن ان پر ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے پاس ایک جماعت متفرق لوگوں کی گئی جنہوں نے ان کو کہا کہ اگر تم ایسی سختی نہ کرتے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق تم کو ایسی باتیں نہ سُننی پڑتیں۔ جس سے ان کو شرم محسوس ہوئی اور وہ رُک گئے۔ حتیٰ کہ بعضوں نے عَلَی الْاِعْلَان کہنا شروع کیا کہ کسی مذہب کے خلاف کچھ نہیں کہنا چاہئے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمنوں کی بدگوئی بہت حد تک رُک گئی۔ لیکن اگر آپ بعض اوباش عیسائیوں کے خلاف لکھتے تو کسی شریف نے اُن کو روکنا نہیں تھا نہ خود اُن کو اپنی عزت کا پاس ہوتا اور اِس طرح وہ گالیوں میں بڑھ جاتے۔ ایسے لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی مخاطب نہیں کیا بلکہ ان کی نسبت فرمایا کہ ان کی گالیاں سن کر ان کو دعا دو۔

خدا تعالیٰ بھی قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِءِیْنَ [۳] کہ جو تمسخر کرتے ہیں ان میں علم اور عقل نہیں ہوتی ان کے جواب کی تم میں ہمت نہیں ہم ان کو خود جواب دیں گے۔ پس ایسے لوگوں کو مخاطب کرنا بے فائدہ ہے۔

اب قادیان کے ہندو مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہے۔ وہ قوم میں معزز نہیں۔ وہ اگر گالیاں دیں تو وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ کے مطابق ایسے مشرکین سے اعراض کرنا چاہئے۔ ایسے شخصوں کا مقابلہ کرنے والا درحقیقت پاگل ہے اور وہ خود زیادہ گالیاں دلاتا ہے بلکہ سلسلہ کا دشمن ہے کیونکہ آپ گالیاں

دلاتا اور قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے تم ان کے بڑوں کو گالیاں مت دو کہ پھر یہ بغیر علم کے تمہارے خدا کو گالیاں دینے لگ جائیں گے۔ کیونکہ دشمنی کے ساتھ بعض دفعہ عقل بھی ماری جاتی ہے اور حملہ کرتے وقت صرف یہی احساس دل میں ہوتا ہے کہ دوسرے کے نقصان کی خاطر اگر اپنا نقصان بھی ہو جائے تو کوئی پرواہ نہیں۔ بیسیوں لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دوسرے کو نقصان پہنچانے کی خاطر اپنے مکان کو آگ لگا دیتے ہیں تا کہ دوسرے کو مقدمہ میں پھنسا دیں۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے بیٹے کو مار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے مار دیا۔ پس پاگلوں کو چھیڑنا خود پاگل پن ہے۔ ہماری جماعت کو سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک امام کے تابع کیا ہے اور امام خوب سمجھتا ہے کہ کہاں جواب دینا مناسب ہے اور کہاں نہیں۔ ہر جگہ جواب دینے والے کی مثال کُتّے کی سی ہوتی ہے جو بغیر امتیاز کے بُھونکتا ہے۔ ایک شریف انسان کو بھی جواب دیتا ہے لیکن وہ یہ دیکھتا ہے کہ کس کو جواب دیا جائے اور کیا جواب دیا جائے۔

پس یہ امام کا حق ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ کون سے دشمنِ اسلام ایسے ہیں جن کو جواب دیا جائے اور کون سے دشمن ایسے ہیں جن کے اعتراضات سننے کے باوجود خاموشی اختیار کی جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی ایسے گالیاں دینے والے لوگ موجود تھے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کو کبھی جواب نہیں دیا۔ آخر جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے جواب دیا اور ''قادیان کے آریہ اور ہم'' کتاب لکھی۔ تو دیکھو ان میں سے کون باقی رہا۔ سب طاعون سے فنا ہو گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیا۔ اس سے تم لوگ سمجھ سکتے ہو کہ اگر تمہارا جواب خدا کے حکم سے ہو تو اس کے نتیجہ میں بھی وہ بات پیدا ہو جائے۔ لیکن جب پیدا نہیں ہوتی تو معلوم ہوُا کہ تمہارا جواب خدا کے حکم کے خلاف ہے ورنہ چاہئے تھا کہ خدا کے فرشتے تمہاری مدد کرتے اور اس کا جواب دیتے۔ آسمان و زمین میں ایسے سامان پیدا ہو جاتے کہ وہ باتیں پوری ہو جائیں۔ اگر تم ان کو ذلیل و بے شرم کہتے تو خدا کے فرشتے بھی ان الفاظ کو دُہراتے اور ان کے دوست بھی انہیں ایسا ہی کہتے۔ لیکن جب ایسا نہیں ہوتا تو معلوم ہوُا کہ تمہارے سخت الفاظ محض الفاظ ہی ہیں ان میں حقائق نہیں۔ اس کے مقابلہ میں رسول کریم ﷺ نے حقائق پیش کئے۔ دشمنوں نے آپ کو اَبْتَرُ کہا۔ رسول کریم ﷺ نے بھی اپنے دشمنوں کو ابتر کہا۔ ان کی اولادیں موجود تھیں لیکن خدا نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ بعضوں کی اولاد کو لڑائیوں میں

ختم کر دیا اور بعض رسول کریم ﷺ کی اولاد بن گئے اور ان لوگوں کی اولاد نہ رہے۔

پنجابی میں اَوتر بھی ابتر کو ہی کہتے ہیں۔ پنجابی عورتیں بھی یہ گالیاں دیتی ہیں کہ تم اَوتر ہو جاؤ۔ لیکن وہ محض گالی ہوتی ہے۔ ان عورتوں کی اس گالی سے کسی کے بچے نہیں مرتے۔ لیکن رسول کریم ﷺ نے جن دشمنوں کو اَوتر کہا تو ان کی اولادیں واقعہ میں فنا ہو گئیں۔ پس معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کا ابتر کہنا گالی نہ تھی بلکہ واقعہ تھا جو پورا ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض سخت اقوال سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے کیونکہ انہوں نے خدا کے حکم سے وہ الفاظ کہے اور زمین و آسمان ان کے ساتھ ہو گئے۔ میں دیکھتا ہوں ہماری جماعت کے بعض لوگ جب جواب دینے کیلئے کھڑے ہوتے ہیں اور دشمن اس کے جواب میں اس سے بڑھ کر گالیاں دیتا ہے تو بے غیرت بن کر اپنے گھر میں بیٹھ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کو چاہئے تھا کہ یا تو دشمن کا منہ بند کرتے یا گالی کا جواب دینے میں ابتداء نہ کرتے۔ پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان کے اخلاق دوسروں سے اعلیٰ ہونے چاہئیں۔ پیغامِ حق پہنچانا اخلاقِ فاضلہ پیدا کر کے دین و دنیا کی بہتری کی تجاویز سوچنا نیکی اور علم کی وسعت دینا اور دنیا کی تکالیف دور کرنا ان کا مقصود ہو، تا کہ جو خدا کا مقصد سلسلہ احمدیہ کے قیام سے ہے وہ پورا ہو۔

یہ سنت ہے کہ جب خدا کا کام بندہ اپنے ذمہ لے لیتا ہے تو خدا اسے چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ نبی کریم ﷺ بھی اس جگہ تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص آپ کو گالیاں دینے لگا۔ آپ خاموش رہے۔ جب اُس نے زیادہ سختی کی تو حضرت ابو بکرؓ نے بھی اُس کو جواب دیا۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تک آپ خاموش رہے، خدا کے فرشتے اسے جواب دیتے رہے۔ لیکن جب آپ نے خود جواب دینا شروع کیا تو وہ چلے گئے۔[۴] پس جس کام کو خدا نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہوتا ہے اگر بندہ اس میں دخل دے تو خدا اسے چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن اگر بندہ صبر کرے اور یقین رکھے کہ خدا تعالیٰ جلد یا بدیر اس کا بدلہ لے لے گا تو خدا اس کا بدلہ لے لیتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کو مکہ میں ۱۳ سال تک اور پھر مدینہ میں جا کر بھی دشمن نے گالیاں دیں اور تنگ کیا۔ نہ صرف ایک دن نہ صرف ایک ماہ نہ صرف ایک سال بلکہ اِس وقت تک مخالفین آپ کو گالیاں دے رہے ہیں اور تورات کی پیشگوئی کے مطابق کہ حضرت اسماعیل جو رسول کریم ﷺ کے جدِّ امجد تھے، ان کے خلاف ان کے بھائیوں کی تلوار ہمیشہ اُٹھی رہے گی۔ آپ کو لوگ ہمیشہ گالیاں دیتے رہتے ہیں لیکن خدا نے اس کا علاج اپنے ذمہ لے رکھا

ہے اور اس سے بہتر علاج اس کا کیا ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام میں داخل کردے لیکن اسلام میں داخل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں۔

مجھے ایک دفعہ ایک یہودی نے چِٹھی لکھی کہ میں وہ شخص تھا کہ شاید ہی کسی کے دل میں میرے دل سے بڑھ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دشمنی ہو بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنتے ہی مجھے اشتعال پیدا ہوجاتا تھا۔لیکن آپ کے مبلغوں سے اسلام کی خوبیاں سن کر اب میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ میں رات کو نہیں سوتا جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیج لوں۔ بھلا ہماری گالیوں سے سلسلہ کی کیا خدمت ہوسکتی ہے۔اگر ہم دعا کریں کہ اے خدا! تیرا وعدہ اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِءِیْنَ سچا ہے تُو آپ اس کا علاج کر اور اس وعدہ پر اعتماد رکھ کر چُپ رہیں تو خدا خود ہی انتظام کرے گا۔اور اگر تم نے خود اِس میں دخل دینا شروع کر دیا تو تم بیعت میں رخنہ ڈالنے والے، دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کے وعدہ کو پس پشت ڈالنے والے اور سلسلہ کو بدنام کرنے والے ہوگے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امام کی اطاعت کرو اور امام کے پیچھے ہوکر لڑو۔ پس لڑائی کا اعلان کرنا امام کا کام ہے تمہاری غرض محض اس کی اطاعت ہے۔اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اس تعلیم کو خود ہی ردّ کرنے والے ٹھہرو گے۔ دنیا میں بعض دفعہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے عظیم الشان لڑائیاں ہوجاتی ہیں۔ جیسے آسٹریا کے شہزادہ کے قتل سے عظیم الشان جنگ ہوئی جس میں دو کروڑ سے زیادہ انسان قتل ہوئے۔ پس امام جب چاہے اعلانِ جنگ کرے جب چاہے چُپ رہے۔لوگوں کو چاہئے کہ اس کے پیچھے رہیں اور خود بخود کوئی حرکت نہ کریں۔

پس میں پھر جماعت کو نصیحت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے فرائض کی طرف متوجہ ہوگی۔ میں مصلحت کو سمجھتا ہوں۔ ہر بات کی دلیل بیان کرنا امام کیلئے ضروری نہیں۔ جرنیل اور کمانڈر کے ہاتھ میں سارا راز ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کہاں اور کس طرح حملہ کیا جائے۔اگر وہ راز کھول دے تو دشمن اس کا توڑ سوچ لے اور ساری سکیم باطل ہوجائے۔اگر کوئی شخص سچے طور پر بیعت کرتا ہے اور اتباع کا اقرار کرتا ہے تو اس کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے اعتراض نہیں کرنا چاہئے ورنہ بیعت چھوڑ دے کیونکہ وہ منافق ہے۔پس گالیوں کا جواب نہیں دینا چاہئے ورنہ آہستہ آہستہ بڑی لڑائی شروع ہوجائے گی اور پھر امام بھی مجبور ہوگا کہ اس میں شامل ہو اور اپنی طاقت ایسی جگہ خرچ کرے جہاں وہ مناسب

نہیں سمجھتا۔ میں امید کرتا ہوں کہ دوست ان باتوں کی اہمیت کو سمجھیں گے۔

کوئی مومن اِس قدر بیوقوف نہیں ہوتا کہ اس کے غصے سے ساری جماعت کو نقصان پہنچے۔ پس دوستوں کو چاہیئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں اور امام کے حکم کے منتظر رہیں۔ قرآن کریم میں جب لڑائی کا حکم آیا تو بعض لوگوں نے لڑنے سے انکار کر دیا اور کہا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ [5] کہ اگر ہم جانتے کہ یہ لڑائی ہے تو ہم ضرور شامل ہوتے۔ مگر یہ تو خودکشی ہے اور یہ وہی لوگ تھے جو لڑائی کیلئے زیادہ شور مچاتے تھے۔ پس زیادہ شور مچانا بسا اوقات نِفاق کی علامت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ جماعت کو لڑائی میں ڈال کر آپ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور بعض بالکل خاموش رہنے والے بعض دفعہ زیادہ مومن اور بہادر ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خاموش طبیعت تھے لیکن لڑائی میں سب سے زیادہ خطرناک جگہ پر موجود رہتے تھے یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ کیونکہ لڑائی میں سب سے زیادہ خطرناک جگہ وہی ہوتی تھی جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تھے۔ کیونکہ دشمن کا سارا زور وہیں ہوتا تھا اور لوگ کہتے تھے کہ یوں تو یہ بڈھا بہت نرم دل ہے لیکن لڑائی میں سب سے آگے رہتا ہے۔ پس خاموشی سے اخلاص میں فرق نہیں پڑتا بلکہ ممکن ہے جو زیادہ خاموش رہنے والا ہے خدا کے نزدیک زیادہ مخلص ہو اور وہ جو زیادہ شور مچانے والا ہے وہ منافق ہو۔ کیونکہ خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور وہ خوب سمجھتا ہے کہ مومن کون ہے اور منافق کون ہے۔

(الفضل ۱۳ر مئی ۱۹۳۷ء)

۱۔ بخاری کتاب الجهاد باب یقاتل من وراء الامام ویتقٰی بهٖ

۲۔ الحجر: ۹۵

۳۔ الحجر: ۹۶

۴۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء

۵۔ ال عمران: ۱۶۸